

او برائے سے کامیابی کا گرسکیجھے!

موہن سنگھ او برائے (Mohan Singh Oberoi) چکوال کے ایک گاؤں بھان میں پیدا ہوا۔ 1898ء میں دنیا میں آنے والا بچہ، اوائل عمری میں حد درجہ بد قسمت تھا۔ صرف چھ ماہ کا تھا کہ والد فوت ہو گئے۔ پشاور میں معمولی سے ٹھیکیار تھے۔ بہر حال تنگی میں گزر اوقات ہوئی جاتی تھی۔ والد کے مرنے کے بعد موہن سنگھ کے گھر یلو حالات مزید مشکل ہو گئے۔ خاندان کا کسی قسم کا کوئی ذریعہ آمدن نہ تھا۔ معاشی بدحالی کی وجہ سے موہن، معمولی سی ہی تعلیم حاصل کر پایا۔ گاؤں کے نزدیک ایک سرکاری سکول سے میٹرک کیا اور پھر ایک رشتہ دار کی مہربانی سے لا ہور بورڈ سے انظر کر لیا۔ مگر اس کے بعد کسی قسم کا کوئی مستقبل نہیں تھا۔ کلرک لگنے کے لئے لا ہور بندی اور دیگر شہروں میں دھکے کھاتا رہا۔ مگر کسی جگہ بھی، معمولی سی نوکری بھی حاصل نہ کر پایا۔ زندگی اس کے لئے عذاب بن چکی تھی۔ 1922ء میں برصغیر میں پلیگ جیسی موزی و باع پھیل گئی۔ موہن سنگھ، یہاڑی سے بچنے کے لئے شملہ چلا گیا۔ وہاں سسیل ہوٹل میں فرنٹ ڈریک کلرک کی نوکری مل گئی۔ ہوٹل کے منتظم کا نام ارنست کلارک تھا۔ وہ دس بارہ سال سے شملہ میں سسیل ہوٹل کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ ہاں ایک بات کہ سسیل ہوٹل بھی بس گزارہ لا ٹھی ہی چل رہا تھا۔ اعداد و شمار کے مطابق، پورے سال میں ہوٹل کے کمرے صرف چالیس فیصد تک کراچی پر جاتے تھے۔ شملہ ایک سیاحتی علاقہ تھا۔ اور وہاں کے ہوٹل بڑے منافع میں چل رہے تھے۔ مگر سسیل ہوٹل کاروبار میں کافی بیچپے تھا۔ کلارک کو سمجھنیں آتا تھا کہ وہ ایسا کیا کرے کہ ہوٹل مہمانوں سے بھر جائے۔ قدرت کا انپا طور طریقہ ہے۔ کلارک کو چھ ماہ کے لئے لندن جانا پڑا۔ موہن سنگھ جس جانشناختی سے اور ایمانداری سے کام کر رہا تھا۔ وہ ارنست کے لئے حیران کرن تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ چھٹیوں کے دوران، موہن سنگھ کو ہوٹل کا انچارج بنادے۔ موہن سنگھ نے اس چھ ماہ میں ہوٹل کی کایاپٹ دی۔ عرق ریزی اور نفاست سے کام کرنے کی بدولت، ہوٹل میں گاہوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ جب کلارک، لندن سے واپس آیا تو اسے یقین ہی نہیں آیا کہ یہ اسی کا ہوٹل ہے۔ موہن سنگھ، ہوٹل میں ٹھہر نے والے مہمانوں کی تعداد اسی فیصد تک لے گیا تھا۔ یعنی منافع اب سو فیصد بڑھ چکا تھا۔ کلارک اب موہن سنگھ پر بہت اعتماد کرنے لگ گیا۔ اس کے علاوہ، موہن سنگھ کو اپنے کاروبار میں شرکت داری بھی دے دی۔ دوسال ایسے ہی گزر گئے۔ سسیل ہوٹل کا نام اب کلارک ہوٹل رکھ دیا گیا تھا۔ ارنست، اب ریٹائر ہونا چاہتا تھا۔ ایک دن، موہن سنگھ کو بلا یا اور اسے کہا کہ اگر وہ چاہے تو ہوٹل خرید سکتا ہے۔ موہن سنگھ کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ وہ، مسٹر کلارک کو قسطوں میں پیسے لندن بھجواتا رہے گا۔ موہن سنگھ کاروباری معاملات میں حد درجہ ایماندار تھا۔ قسمت کی دیوی نے اس پر خوش قسمتی کا پہلا درکھوا لاتھا۔ موہن سنگھ ہوٹل کو کامیابی سے چلاتا رہا۔ مسٹر ارنست کو تمام رقم بھی بھجو دی۔ پہلی جنگ عظیم کا زمانہ تھا۔ موہن سنگھ اب کاروبار کو بڑھانے کا سوچ رہا تھا۔ اس نے ملکتہ میں گرینڈ ہوٹل خرید لیا۔ موہن سنگھ نے اس کا نام بدلت کر ابرائے ہوٹل رکھ دیا۔ ایماندار تھا، اپنے کام میں محنت کے ہنر سے واقف تھا۔ لہذا آہستہ آہستہ وہاں سے ہندوستان کے بڑے شہروں میں ابرائے، پنج ستارہ ہوٹل، شان و شوکت اور آرام دہ سکونت کے لئے مرکزیت اختیار کرتے گئے۔ صرف ہندوستان، ہی نہیں، سوچا پور، سعودی عرب، سری لنکا، نیپال، مصر اور ساڑتھ افریقہ میں ابرائے ہوٹل قائم کر دیئے۔ موہن سنگھ ایک سوتین برس کی عمر لے کر آیا تھا۔ 2002ء میں اس کا انتقال ہوا۔ مرتبے وقت، پوری دنیا میں اس کے اکیس ہوٹل تھے۔ اس کے علاوہ پانچ بھری جہاز تھے، جو سمندر میں چلتے پھرتے ہوٹل تھے۔ مزید کی ایئر لائنز کے جہازوں میں کھانے کا انتظام، متعدد ریஸوریٹ اور بار کام لک تھا۔ مرتبے وقت تک، ابرائے، ایک سلطنت کاروپ دھار چکی تھی۔ گروپ کی دولت تقریباً دس بلین ڈالر تھی۔ آج موہن سنگھ کے بیٹے اس کے کاروبار کو مزید فروغ دے رہے ہیں۔

چکوال کے ایک پسمندہ گاؤں میں پیدا ہونے والا بچہ، برصغیر کے امیر ترین لوگوں میں کیسے شامل ہوا۔ اس نکتہ پر سوچ سمجھ کر بات کرنی ضروری ہے۔ عرض کرتا چلوں، میرے پاس روز کی بندیا پر کئی لوگ رابطہ کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی نوکری کی تلاش میں بے تاب نظر آتا ہے، کوئی سفارشیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہلکاں ہو رہا ہوتا ہے۔ کوئی نظام کو گالیاں دیتا رہتا ہے اور پھر کوئی اپنے ساتھ کچ مقداری کو جوڑ لیتا ہے۔ ہمارے ہاں نوجوان بچے اور بچیوں کی تعداد چھ کروڑ سے زیادہ ہے۔ کوئی بھی سیاسی جماعت، حکومت میں ہو وہ اتنے زیادہ روزگار مہینا نہیں کر سکتی۔ بہترین سے بہترین حکومت بھی اتنا بڑا کام کرنے سے قاصر ہے۔ سیاسی دعووں کی عرض نہیں کر رہا۔ سیاست دان تو وہاں بھی پل بنانے کا دعویٰ کر سکتے ہیں، جہاں دریا ہے ہی نہیں۔ سنجیدہ ترین اقتصادی ماہرین بھی، اتنی کثیر تعداد میں نوکریاں مہیا کرنے کو ناممکن کام قرار دیتے ہیں۔ اس میں ایک اور نکتہ بھی ہے۔ ہماری بھی یونیورسٹیوں کی اکثریت، درجہ ناقص تعلیم فراہم کر رہی ہیں۔ ناقص تعلیم اور سماج میں تربیت کے فتنوں نے ایک ایسی نسل کو پروان چڑھایا ہے جو زمینی حقائق سے میل نہیں رکھتی۔ یعنی اگر آپ کو مارکینگ کے لئے ایک سمجھدار انسان کی ضرورت ہے۔ تو سو میں سے دو تین لوگ ہی درمیانے معیار کے مطابق نکلیں گے اور بہترین معیار پر ہزار میں سے دو چار ہی ہو گے۔ بھی یونیورسٹیوں کی اکثریت ایک ایسے جرم کی مرکب ہو رہی ہے جس کا خمیازہ ہماری آنے والی نسلیں بھگتی رہیں گی۔ پرائیوریٹ سیکٹر کا حال حد درجہ خستہ ہے۔ میں سرکاری اور بھی شعبہ دونوں کو دیکھ پکھا ہوں۔ یقین فرمائیں۔ ہمارا بھی شعبہ سرکار سے بھی زیادہ غیرفعال ہے۔ وہاں بھی کمکھی مارنے کا چلن ہے۔ مگر سوال تو اپنی جگہ صائب ہے کہ ہماری نوجوان نسل، کس طرح اپنے پیروں پر کھڑی ہو۔ اس سوال کا جواب آپ نے خود تلاش کرنا ہے۔ اس گھنٹی کو سلبخانے کی پہلی سیڑھی یہ ہے کہ کسی سیاست دان یا سیاسی پارٹی کے نعروں کا شکار نہ بنیں۔ ہمارے پورے ملک میں کوئی بھی ایسا ملکی سیاست دان نہیں ہے جس کی اولاد محنت کر کے اوپر آئی ہو۔ سب، وراشت کے گد لے پانی کی پیداوار ہیں۔ اور ان کا میرٹ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اپنے آپ پر بھروسہ کیجھے۔ یہ اس مشکل کو آسان کرنے کی دوسری سیڑھی ہے۔ اپنے آپ کو خود جانیے۔ یقین فرمائیے کہ قدرت نے آپ کو ہر وہ صلاحیت عطا کر رکھی ہے جس کی بدولت آپ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اپنے آپ پر مکمل اعتماد کیجھے۔ ہمت کیجھے۔ قدرت کی طاقت آپ کے ہم قدم کھڑی ہو جائے گی۔ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ چھوٹا سا ذاتی کاروبار شروع کر لیجھے۔ کوئی بھی کام کمتر نہیں ہوتا۔ کام میں عظمت ہے۔ اگر آپ کپڑے اچھے دھو سکتے ہیں۔ تو لانڈری کی ایک دکان شروع کر دیجھے۔ منافع دیکھ کر حیران ہو جائیں گے۔ شرط صرف ایک کہ پورے قصبہ، شہر، محلہ میں، آپ جیسے صاف کپڑے کوئی بھی نہ دھوتا ہو۔ آپ کے پاس کم پیسے ہیں تو فروٹ یا سبزی کی ریڑھی لگا کر دیکھیے۔ اس میں بھی یہ شرط ہے کہ آپ کی سبزی یا فروٹ ساتھ والوں سے ہر حال میں بہتر ہونا چاہیے۔ اگر آپ خاتون ہیں۔ اور آپ کو کھانا بنانے کا فن آتا ہے تو مختلف دفاتر کے لئے کھانا فراہم کرنا شروع کر دیجھے۔ پھر دیکھئے کہ آپ پر ہم کیسے برستا ہے۔ میں نے صرف کھانا بنانے کا، مختلف دفاتر یا تقاریب میں فراہم کرنے والوں کو کروڑ پتی ہوتے دیکھا ہے۔

ہر انسان کے حالات دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ ہر ایک کی ترقی کا فارمولا مختلف ہے۔ بلکہ اکثر اوقات میں تو متضاد بھی ہو گا۔ یاد رکھئے، چھوٹے کاروبار سے شروع کیجھے جو کسی بھی نوعیت کا ہو سکتا ہے۔ ہمارے ملک میں نیکی کمانے کا ایک عجیب سا چلن ہے۔ لنگر خانوں میں مفت کھانا کھلا کر ہر امیر انسان جنت میں اپنی سیٹ مختص کرنا چاہتا ہے۔ مگر کوئی بھی امیر شخص یہ نہیں کرتا، کہ افراد کو کوئی ہنر سکھانے کی کوشش کرے۔ کسی شخص کو اگر آپ ولید نگ یا کسی بھی ہنر کی تربیت دلوادیں۔ تو پورا ایک خاندان، اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے گا۔ جو لوگ مفت کھانا کھلا رہے ہیں ان سے درخواست ہے کہ وہ لوگوں میں کسی بھی ہنر کی معیاری تعلیم و تربیت کا اہتمام کریں۔ اگر یہ ہو جائے تو مفت لنگر خانے، بند ہو جائیں گے۔ اگر موہن سنگھ او برائے ہوٹل کی دنیا کا بے تاج بادشاہ بن سکتا ہے۔ تو یقین فرمائیے آپ کے لئے بھی ترقی کا ہر راستہ کھلا ہوا ہے۔ غربت اور بے روزگاری کو شکست دینے کا واحد طریقہ، اپنے آپ کو کسی ہنر سے آرائستہ کرنا ہے۔